# بیاضِ اقبال "Stray Reflections" ایک تعارفی مطالعہ

**Note Book of Allama Iqbal "Stray Reflection"**

**an Introductory Study**

*ڈاکٹر حافظہ شاہدہ پروین

Allama Iqbal, political and religious writer and poet, was a tourch bearer not only for muslim community of sub-continent but also for whole Msulim Ummah. Iqbal's philosophical and political works emphasized the need of self-determination for the Muslims. Allama Iqbal has presented his nation as well as Muslim world a large variety of literature which enlightened the path of Muslim community. His monumental work story reflections was edited by Dr Javed Iqbal and was published in 1961. This note-book contains the elements of many of the major ideas which were developed and elaborated later in his poetical and philosophical works.

Allama Iqbal wrote this diary in a very simple and direct style, nevertheless these notes reflect the poet's quick and sensitive response to many of the ideas. They assist us in gaining some understanding of the complexity of Iqbal's sublince thoughts.

علامہ اقبال ان نادرہ روزگار ہستیوں میں سے ایک ہیں جو فنا سے گزر کر بقائے دوام پا جاتے ہیں۔ جو صفحہ ہستی سے روپوش ہو کر بھی افراد و ملل کے قرطاس ذہن پر زندہ و تابندہ رہتے ہیں۔ ان کے افکار و نظریات انہیں مرنے نہیں دیتے بلکہ وہ انہی افکار سے اشخاص کے دلوں پر حکمرانی کرتے ہیں حقیقت میں یہی افراد شخصی پگڈنڈیوں کو قومی شاہراہ میں تبدیل کرتے ہیں اور اس شاہراہ کے ہر سنگِ میل پر انہی کا نام کندہ ہوتا ہے۔ بقول خلیفہ عبدالحکیم ''اقبال شاعر بھی ہے اور مفکر بھی، وہ حکیم بھی ہے اور کلیم بھی، وہ خودی کا پیغامبر بھی ہے اور بے خودی کا رمز شناس بھی، وہ تہذیب و تمدن کا نقاد بھی ہے اور محی الملت والدین بھی، وہ توقیر آدم کا مبلغ بھی ہے اور تحقیر انسان سے دردمند بھی۔ اس کے کلام میں فکر و ذکر ہم آغوش ہیں اور خبر و نظر آئینہ یک دگر'' (۱) حقیقت میں علامہ اقبالؒ برصغیر ہی نہیں پورے عالم اسلام کی ذہنی و فکری تاریخ میں ایک انتہائی اہم مقام کے حامل ہیں ''اس دور میں جب مغرب کا سحر پورے مشرق پر طاری تھا انہوں نے اس سحر کو توڑنے کی کامیاب کوشش کی اور امت مسلمہ کو خواب غفلت سے بیدار کیا۔'' (۲)

* لیکچرر، شعبہ علوم اسلامیہ، جامعہ پنجاب، لاہور۔

علامہ اقبالؒ کا فکری سرمایہ بے شمار مطبوعہ کتب کی صورت میں امت کو ملا۔ تاہم بعض غیر مطبوعہ اثاثے بھی ان کی میراث میں شامل تھے انہی میں ایک ان کی ڈائری ہے۔

## ڈائری نویسی کی اہمیت:

روزنامچہ نویسی ادب کی اہم اصناف میں شمار ہوتی ہے "روزنامچے سے ہم کسی بھی عہد کی روزانہ زندگی' زندگی کے معمولات، اس میں برپا تغیرات کی جھلک صدیوں بعد بھی دیکھ سکتے ہیں۔ روزناموں کے ذریعے صدیوں پہلے گزرے ہوئے زمانے کی معمولی باتیں، جزئیات کی تفصیل نہایت باریک بینی سے معلوم کر سکتے ہیں علم بشریات اور عمرانیات و سماجیات کے ماہرین کے لیے ان روزناموں کے بغیر عہد ماضی کا علمی تجزیہ ممکن نہیں ہے۔" (۳)

حقیقت یہ ہے کہ روزنامچہ نگار اپنی ہستی کے عرفان کا کھاتہ ہی نہیں بلکہ اپنے عہد، معاشرت، ماحول زمانے اور ثقافت کا عرفان بھی ہمیں عطا کرتا ہے چونکہ وہ روزنامچہ اس یقین کے ساتھ قلمبند کرتا ہے کہ یہ صفحات روئے زمین پر اس کے سوا کوئی نہیں پڑھے گا لہذا یہ روزنامچہ ایسے لافانی حقائق، ابدی سچ، بے لوث، بے چوں و چرا صداقتوں پر مشتمل ہوتے ہیں جن پر کوئی انگلی نہیں اٹھا سکتا۔ (۴)

علاوہ ازیں ڈائری ہماری سوچ کے بدلتے ہوئے تغیرات کو بھی محفوظ کر لیتی ہے۔ ہماری سوچ کے مدو جزر سے خوب اچھی طرح واقف ہوتی ہے۔

علامہ اقبالؒ نے یہ ڈائری یورپ سے واپسی پر تحریر کی۔ یورپ میں ڈائری نویسی کی مستحکم روایت موجود تھی۔

## Stray Reflection

آپ کی بیاض کا نام آپ کے قلم سے تحریر کردہ اس کے سرورق پر موجود ہے بلکہ آپ نے پہلے Stray thought لکھا اور اس کے بعد thought کو قلمزد کر کے Reflection لکھا ہے اس کو اسی طرح سرورق پر باقی رہنے دیا گیا۔ اگر زبان و بیان کے اعتبار سے اس نام کا جائزہ لیا جائے تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ بیاض کی مانند اس نام میں بھی کئی معنی پنہاں ہیں۔

لفظ Stray لغوی اعتبار سے تین معانی میں مستعمل ہے۔

(1) To roam about without fixed direction or purpose

(2) To move without conscious or intentional effort.

(3) Occuring at random. (۵)

اسی طرح لفظ Reflections کے کئی معنی ہیں مثلاً

thoguht, brainwork, ceberation, cogitation, deliberation, speculation (۶)

علامہ اقبال کی اس نوٹ بک میں بیان کردہ افکار کا جائزہ لیا جائے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ یہاں stray کا تیسرا معنی "Occuring at random" زیادہ قرین قیاس ہے اور مناسبت کے اعتبار سے Reflection کے کئی معانی میں سے Brainwork سب سے زیادہ مناسب ہے۔ یوں ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس سے ان کی مراد یہ تھی کہ ایسے افکار ونظریات جو یکدم ذہن میں آ جائیں۔

آپ نے thoughts کا لفظ لکھ کر کاٹ دیا ہے۔ یہ لفظ بھی تین معانی میں مستعمل ہے۔

(1) The action or process of thinking
(2) Serious consideration
(3) The intellectual product or the organized views.(۷)

چونکہ stray کے ساتھ معنی کے اعتبار سے thought کا لفظ میل نہیں کھاتا تھا اس لیے اس کو reflection سے بدل دیا گیا۔ جس سے نہ صرف معانی میں مناسبت پیدا ہوگئی بلکہ ترکیب کی ادائیگی میں جو ثقالت تھی، وہ بھی جاتی رہی اور رواں ترکیب وجود میں آ گئی۔ اس ڈائری میں بیان کردہ خیالات مرتب نظریات تو نہ تھے تاہم یہ قیمتی خیالات بے نشاں سفر کا نتیجہ نہیں ہو سکتے۔ بقول ڈاکٹر جاوید اقبال

"Alghoug we may disagree with some of his ideas, this note- book enables us to glimpse the liveliness, richness and fertility of Iqbal's mind. We see the many sidedness of his interests, and meet his views on a vide variety of subject such as art, philosophy, literature, science, politics and religion. (۸)

## زمانہ تحریر

آپ نے اس نوٹ بک کو ۲۷ اپریل ۱۹۱۰ء کو لکھنا شروع کیا اور تحریر کا دورانیہ کئی ماہ پر مشتمل ہے۔ اس کے بعد نامعلوم وجوہات کی بنا پر تحریر کا سلسلہ منقطع کر دیا گیا۔ یہ زمانہ آپ کے سفر یورپ سے واپسی کا ہے جب آپ قریہ افرنگ کا نہ صرف بچشم خود مشاہدہ کر چکے تھے بلکہ مغربی افکار کی غواصی میں بھی طاق ہو چکے تھے۔ دوسری طرف ملتِ اسلامیہ کی موجودہ حالت، اس کا تابناک ماضی اور اس کے مستقبل کے بارے میں سنہری تمنائیں آپ کو بے چین کیے دے رہی تھیں۔ ملت اسلامیہ پر چھائے جمود وخمود سے نہ صرف آپ کی آنکھ نمناک تھی بلکہ آپ کا دل ماہی بے آب کی طرح تڑپ رہا تھا۔ وہ ایسے انقلاب کی تمنا رکھتے تھے جس کی منزل اوجِ ثریا ہو۔ آپ ذاتی زندگی میں اس وقت کئی اتار چڑھاؤ کا شکار تھے۔ ان کی حالت اس وقت بالکل اس طائر جیسی ہو رہی تھی جو پہاڑوں پر بسیرے کی تمنا رکھتا ہو لیکن بے بال و پر ہو۔'' ۱۹۱۰ء میں علامہ اقبالؒ کی عمر سینتیس برس تھی۔ ان دنوں وہ انارکلی کے ایک فلیٹ میں مقیم تھے۔ پی ایچ ڈی کی تکمیل کے بعد ۱۹۰۸ء میں وطن واپس آئے تھے۔ انہوں نے بطور ایڈووکیٹ عدالت میں پریکٹس شروع کر دی۔ اسی اثنا میں انہوں نے

گورنمنٹ کالج لاہور کو فلاسفی کے پروفیسر کے طور پر جوائن کیا۔ لیکن ڈیڑھ سال کے عرصے کے بعد اس ملازمت سے استعفیٰ دے دیا۔ کیونکہ انہوں نے محسوس کیا کہ جب تک وہ سرکاری ملازم ہیں اپنے ماضی الضمیر کا اظہار کھل کر نہیں کر سکتے۔'' (۹) اس عرصہ میں علامہ اقبال مالی پریشانیوں کے ساتھ ساتھ بعض ازدواجی الجھنوں میں بھی گرفتار تھے۔ دوسری طرف قومی مسائل کی سنگینی اور ایک بلند نصب العین کے تقاضے انہیں پیہم فکری جہاد کی دعوت دے رہے تھے اس ذہنی کشمکش کے ابتدائی مرحلے (اپریل ۱۹۰۹ء) میں انہوں نے عطیہ بیگم کے نام جو خط لکھے تھے ان میں دو ایک جگہ شدید مایوسی اور بیزاری کا اظہار کیا ہے۔ یہ محض وقتی تاثرات تھے۔ یہ بیاض اس دور کی نجی تحریروں کا مجموعہ ہے لیکن اس میں کہیں مردہ دلی یا افسردہ ذہنی کی علامت نہیں ملتی۔ ان شذرات میں اقبال کی توجہات کی وسعت اور ان کی دلچسپیوں کی رنگا رنگی ان کے صحت مند اور بیدار ذہن کی آئینہ دار ہے۔ (۱۰)

## طباعت

علامہ اقبال کی یہ بیاض ڈاکٹر جاوید اقبال کے مجوزہ عنوانات اور فاضلانہ تعارف کے ساتھ ۱۹۶۱ء (وفات کے تیئس برس بعد) کو شائع ہوئی۔ صد سالہ جشنِ ولادت کے موقع پر مجلس ترقی ادب لاہور نے اس کے اردو ترجمہ کو اپنے طباعتی پروگرام میں شامل کیا۔ اس کو اردو زبان کا خوبصورت لبادہ ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی، استاد شعبہ اردو، یونیورسٹی اورینٹل کالج لاہور نے اوڑھایا اور یہ ترجمہ اردو زبان و ادب میں ایک وقیع اور خوبصورت اضافہ ہے۔ اس کا نام ''شذرات فکر اقبال'' رکھا گیا۔

علامہ اقبال نے یہ مختصر شذرات جس صورت سے ترتیب دیئے تھے۔ بعینیہ اسی طرح رہنے دیا گیا۔ اصل عبارات کے شروع میں عنوان اور عدد شمار کے اضافے کے سوا متن میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں کی گئی۔ یہ عبارات ۱۲۵ مختلف موضوعات کے تحت بیان کی گئی ہیں۔ اس بیاض کی تدوین میں تیرا مقامات پر بیاض کے صفحات کا عکس دیا گیا ہے۔ جن کو Plate one سے لے کر Plate thirteen تک شمار کیا گیا ہے۔

## اسلوبِ تحریر

جیسا کہ عموماً ڈائری نویسی میں ہوتا ہے کہ بیان کردہ خیالات ''آورد'' نہیں ''آمد'' ہوتے ہیں۔ اس تحریر بے تکلف اور برجستہ ہوتا ہے۔ ہر طرح کے تصنع اور بناوٹ سے پاک اور صاف ہوتا ہے اور چونکہ اپنے آپ سے گفتگو کی تحریری صورت ہوتی ہے اس لیے بعض اوقات یہ خیالات بے ربط

بھی ہو سکتے ہیں اور بعض اوقات دماغ پر چھائی کسی سوچ کا تحریری نتیجہ ہوتے ہیں۔ جس سوچ کو ڈائری میں بیان نہیں کیا جاتا ہے۔ اس بیاض میں ''علامہ اقبال کا اسلوب بہت سادہ، دوٹوک اور پرزور ہے۔ بعض جگہ ان کی تحریر کی برجستگی ہمیں چونکا دیتی ہے۔ عموماً وہ چند جملوں یا ایک مختصر عبارت میں اپنے خیالات کا اظہار کر دیتے ہیں۔ ان کا اسلوب نثر اس شاعر کے اختصار و بلاغت کا آئینہ دار ہے جو معانی کا ایک خزانہ چند لفظوں مین منتقل کر دینے کی کوشش کرتا ہے۔ اس بیاض میں جو خیالات ظاہر کئے گئے ہیں ان میں کوئی ربط و تسلسل نہ ملے گا کیونکہ انہیں کسی مقرر منصوبے کے مطابق قلم بند نہیں کیا گیا۔ تاہم یہ تحریریں شاعر پر اثر انداز ہونے والے بہت سے عوامل و افکار کے فوری اور حساس ردِعمل کی عکاسی کرتی ہیں اور اس کے کردار کی پیچیدگی کو کسی حد تک سمجھنے میں ہمیں ان سے مدد ملتی ہے۔'' (۱۱)

### دورِ تفکر

اس عرصہ میں علامہ اقبال مالی دشواریوں، ازدواجی الجھنوں، سیاسی حالات کی پریشان کن کروٹوں سے بہت متاثر تھے۔ ان سب تفکرات میں گرفتار ہو کر آپ نے اپنی تمام توجہ اندرونی فعلیت کی طرف منتقل کر دی اس لیے اس دور کو ان کی تخلیقی فعلیت کا دورِ تفکر کیا جا سکتا ہے۔ ڈاکٹر جاوید اقبال لکھتے ہیں ''انجمنِ حمایتِ اسلام کی جانب سے ہر سال علامہ اقبال کو سالانہ جلسوں میں نظم سنانے کی دعوت دی جاتی رہی۔ لیکن خلافِ معمول ۱۹۱۰ء میں انہوں نے کوئی نظم نہیں سنائی۔ اس عرصے میں اقبال نے چند نظمیں لکھیں جو مقامی رسالوں میں شائع ہوئیں لیکن یہ نظمیں بلند معیار کی نہیں تھیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ گرد و پیش کے حالات سے جو دل شکستگی اور شدید مایوسی انہیں ہوئی، اس کے نتیجے میں اس سال ان کی تخلیقی فعلیت معطل رہی۔ ممکن ہے شعر گوئی کی تحریک نہ ہونے کی وجہ سے وہ شاعری کی بجائے ان شذرات نویسی کی طرف متوجہ ہو گئے ہوں۔ ۱۹۱۰ء کے دوران یہی بیاض ان کی خاص تصنیف ہے۔ تخلیقی عمل کی تحیر زائیوں کا ایک پہلو یہ ہے کہ خاموش اور پسپائی کے یہ ادوار اکثر پراسرار مقاصد کی تکمیل کرتے ہیں۔ اقبالؒ کی اس ظاہری خاموشی کی تہہ میں یقیناً زبردست طوفان کروٹیں لے رہے تھے۔ اس سے اگلے سال ۱۹۱۱ء میں شاعر کا داخلی ہیجان ''شکوہ'' کی صورت میں ابل پڑا۔ اس کے بعد شاعر کی تخلیقی فعلیت زیادہ سے زیادہ بیدار و متحرک ہوتی گئی اور تقریباً ہر سال ایک تازہ شاہکار تخلیق پاتا رہا۔ اہ غزل سرا جو محبت کے درد بھرے نغمے گایا کرتا تھا رفتہ رفتہ دم توڑ رہا تھا اور اس کی جگہ ایک فلسفی اور مصلحِ اخلاق جنم لے رہا تھا۔'' (۱۲)

حقیقت یہ ہے کہ عمومی سوچ سے خصوصی سوچ کے مرحلے میں ایک انقلابی دور ہوتا ہے جو بیج اور پودے

کے درمیانی مرحلے کی مانند ہوتا ہے۔ بالکل بیج کی طرح مفکر بھی کچھ عرصہ کے لیے روپوش ہو جاتا ہے اور بیرونی دنیا سے کٹ کر اپنے اندر کی دنیا میں مصروف ہوتا ہے۔ یہ دور انقلاب جو بظاہر دورِ تعطل ہوتا ہے، اصل میں کسی نئے نظریے، فکر یا سوچ کا نقطۂ آغاز ہوتا ہے۔ جسے عموماً دورِ ''تبتل'' کہا جاتا ہے ہم اس عرصہ کو علامہ اقبال کی فکر کا دورِ تبتل بھی کہہ سکتے ہیں لیکن ایسا تبتل جو اپنی راکھ میں چھپی ہوئی چنگاریاں کسی نئے انقلاب کی نوید کے طور پر محفوظ رکھتا ہے۔

## اقبال کی شخصیت اور ذہنی رجحانات

بیرونی طور پر ارضی آزمائشوں میں گھرے اور اندرونی طور پر گہرے تفکر میں ڈوبے علامہ اقبالؒ کے خیالات کے یہ سلسلے فکر اقبال کے مرکزی دھارے سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کے علاوہ بہت سے شذرات ایسے ہیں جو اقبال کی شخصیت اور ذہنی رجحانات کے بعض دیگر پہلوؤں کی نشان دہی کرتے ہیں۔ مثلاً جن شذرات میں مشرق و مغرب کے مختلف حکما و شعراء کا خصوصیت سے ذکر آیا ہے، ان سے ہمیں اقبال کے مطالعے کی وسعت کے علاوہ، ان کے فکری و فنی استفادے کے مآخذ کا بھی سراغ ملتا ہے۔ اس سلسلے میں عجیب بات یہ ہے کہ رومیؒ کا ذکر صرف ایک مرتبہ ضمناً آیا ہے (عدد: ۳۷) جہاں اقبال نے حقائق کے موثر ابلاغ کے لیے معمولی حکایات سے کام لینے میں حضرت عیسیٰؑ اور شیکسپیئر کے علاوہ رومی کی نادر فطانت کو سراہا ہے معلوم ہوتا ہے کہ بحر روم کی غواصی ابھی شروع نہیں ہوئی تھی۔ گوئٹے سے اقبال کی شناسائی یوں تو بہت پرانی ہے لیکن قیام یورپ کے زمانے میں جرمن زبان سیکھنے کے بعد براہِ راست گوئٹے کے مطالعے کا موقع ملا تو وہ اس کے حسن آفریں تخیل اور فکری توازن سے بے حد متاثر ہوئے۔ پیام مشرق کی اشاعت (۱۹۲۳ء) سے تیرہ برس پہلے گوئٹے سے ان کے ذہنی روابط کا ثبوت ہمیں اس بیاض میں ملتا ہے، جہاں آٹھ مختلف شذرات میں گوئٹے کا ذکر آیا ہے اور ہر جگہ اقبال نے نہایت والہانہ انداز میں گوئٹے کی عظمت فکر و فن کو خراجِ تحسین ادا کیا ہے۔ گوئٹے سے اقبال کی اس دلی عقیدت کا ایک خاص سبب اس کی مشرقیت اور اسلامیت ہے۔ اقبال کے پانچ محسن حکماء و شعراء جن سے اقبال نے اپنی عقیدت اور ممنونیت کا کھلے لفظوں میں اظہار کیا ہے (عدد ۳۶) ان میں ہیگل اور گوئٹے نے ان کی فکری رہنمائی کی۔ بیدل اور غالب نے ان کے فن کو سنوارا اور ورڈزورتھ نے طالب علمی کے زمانے میں انہیں دہریت سے بچایا۔ (۱۳)

دراصل ''اسلامی تصوف کا ہر طالبعلم جانتا ہے کہ ورڈزورتھ کے خیالات، شیخ محی الدین ابن عربی کی وحدت الوجودی تعلیمات سے کتنی قریبی مناسبت رکھتے ہیں۔ اس سے بآسانی یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ ذہنی

ارتقاء کے اس مرحلے میں علامہ اقبالؒ نظریہ وحدت الوجود کے قائل تھے اور فارسی کے عظیم صوفی شاعر خواجہ حافظ شیرازی کے زیر اثر آ گئے تھے۔ ان کی شاعری کی ابتدا غزل گوئی سے ہوئی اور اسی زمانے میں انہوں نے وجودی فلسفے پر اپنے سیاسی تصورات کی اساس رکھی۔

چنانچہ انہوں نے ہندی قومیت کی حمایت میں نظمیں لکھیں۔ لیکن یہ بھی محض ایک عارضی کیفیت تھی۔ سہ سالہ قیامِ یورپ نے علامہ اقبال کے ذہن کی کایا پلٹ دی، انہوں نے وحدت الوجود کو ایک غیر تسلی فلسفے کی حیثیت سے مسترد کر دیا اور وحدتِ ملی کا اصول ان کے خیالات کا محور بن گیا۔ بعد میں جب مشرقِ وسطیٰ کے ممالک میں قومیت کی تحریک پھیلی تو علامہ اقبال برعظیم ہند میں مسلم قومیت کے اولین مبلغ ہو گئے اور اپنی وفات تک اس نصب العین کی پر جوش حمایت کرتے رہے۔ (۱۴)

## حقیقت پسند اور باعمل انسان

علامہ اقبال کا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے اپنے عہد کے مسائل سے عہدہ برآ ہونے کے لیے اسلام کے درخشاں ماضی سے ایک ولولہ تازہ حاصل کیا۔ وہ کسی طرح بھی موہوم خوابوں اور خیالوں کے رسیا یا ایک ماضی پرست رومانی شاعر نہیں تھے۔ بلکہ ہمیشہ ایک حقیقت پسند اور باعمل انسان کی حیثیت سے، عوام سے اپنا رابطہ قائم رکھنے اور ایک مخصوص معاشرے میں اپنے تصورات کی موثر عملی تشکیل کو اپنا مطمع نظر بناتے رہے۔ اس بیاض میں ان اہم ترین تصورات و خیالات کے ابتدائی نقوش بھی ہیں جو بعد کے شاعرانہ کلام اور فلسفیانہ تصانیف میں بہ کمال اہتمام پیش کئے گئے یہاں ان کے نظریۂ تاریخ کے بعض پہلو بھی مشاہدے میں آئیں گے۔ ان کا عقیدہ یہ تھا کہ کسی قوم کے روحانی اور فلسفیانہ تصورات پیش تر اس کے سیاسی ماحول کے ترجمان ہوتے ہیں۔ ان کا خیال یہ بھی تھا کہ موزوں و مناسب سیاسی نظام کا نفاذ کسی قوم کے کردار کے نشو و نما کے لیے لازمی ہے۔ (۱۵)

## تصور وطنیت کی ہلاکت آفرینیوں کا مقابلہ

قیامِ انگلستان کے دوران علامہ اقبال کی زیرک نظر تصور وطنیت کی ہلاکت آفرینیوں تک جا پہنچی، انہیں اس بات کا ادراک ہوا کہ ملتِ اسلامیہ کا شیرازہ منتشر کرنے کے لیے اس نظریہ سے بڑھ کر نقصان پہنچانے والا شاید کوئی اور نظریہ نہ ہو۔ ملت کا وجود زمان و مکاں اور رنگ و نسل کی قید سے آزاد ہو ہے اسے رنگ و نسل و جغرافیائی حدود کی بیڑیاں پہنا کر اس کی زمیں کو حدود سے اور اس کے افق کو ثغور سے آشنا کرنا ہے اور یہ فکر

عالمگیر امت کے وجود کے لیے سم قاتل ہے۔'' جب بیسویں صدی کے اوائل میں کانگریس والوں نے وطنیت کے ساز پر قومی وحدت کا دلکش نغمہ چھیڑا تو تعلیم یافتہ نوجوانوں کی اکثریت، جو مغرب کے جمہوری اصول اور سیاسی نظریات سے ذہنی طور پر مرعوب تھی، ان کی ہم نوائی کا دم بھرنے لگی۔ حتیٰ کہ علماء کرام بھی، جو جذبہ حریت اور انگریز دشمنی کے جوش میں کانگریس کے حامی تھے، اسلامی قومیت اور وطنی قومیت میں امتیاز نہ کر سکے۔ قریب تھا کہ پوری قوم وطنیت کے ''دامِ ہم رنگِ زمین'' میں گرفتار ہو کر اپنا قومی تشخص کھو بیٹھے۔ اقبال نے قوم کے اجتماعی شعور کے نمائندے کی حیثیت سے اس خطرے کو بھانپ لیا، اور ہندو اکثریت کی سیاسی سازش کو ناکام بنانے میں اپنی تمام فکری توانائیاں صرف کر دیں اگرچہ ۱۹۰۷ء سے زندگی کے آخری ایام تک معرکہ دین و وطن، اقبال کے ذہن کی کراری کا مستقل محاذ بنا رہا لیکن اس بیاض کے مطالعے سے پتا چلتا ہے کہ ۱۹۱۰ء میں اس فکری مہم کا باقاعدہ آغاز ہوا۔'' مثلاً شذرہ نمبر ۱۸ میں لکھتے ہیں ''ہماری قومیت محض ایک تصور ہے جس کی کوئی مادی بنیاد نہیں۔ حیات و کائنات کے ایک خاص نظریے کے بارے میں ایک طرح کا ذہنی سمجھوتہ ہی ہمارا واحد نقطۂ اجتماعی ہے۔ اب اگر مذہب پر تنقید ہماری عصبیت کو برانگیختہ کر دیتی ہے تو میں سمجھتا ہوں کہ اس معاملے میں ہم اس طرح حق بجانب ہیں جیسے وہ انگریز جس کی تہذیب کو مطعون کیا جائے۔

حقیقت میں یہی افکارِ پریشان دسمبر ۱۹۱۰ء میں علامہ اقبالؒ کے اس مشہور خطبۂ علی گڑھ ''ملتِ اسلامیہ پر ایک عمرانی نظر'' کی صورت میں مرتب ہوئے جو ہماری سیاستِ ملی کی تاریخ میں ایک سنگِ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔'' (۱۶)

## شخصیت و کردار کی استواری کا مسئلہ

قوموں کی زندگی، مقام اور کردار ان کے افراد کی شخصیت و کردار کا مرہون منت ہوتا ہے۔ جیسے دیوار کی پختگی اینٹوں کی استواری کی محتاج۔ قوم فی نفسہ کوئی وجود نہیں رکھتی افراد کے مجموعے کا نام قوم ہے۔ افراد کا کردار جتنا صالح اور عمدہ ہوگا قوم کا وجود اتنا ہی مستحکم ہوگا۔ افراد ہی وہ ستارے ہیں جو قوموں کے فلک کی تیرگی دور کر کے اسے منور کرتے ہیں اگر افراد کی زندگیاں سیرت و کردار کے میدان میں شکست آشنا ہو جائیں تو قومی افق پر اماوس کی رات جیسا اندھیرا ڈیرے ڈال دیتا ہے۔ جب یہ ڈائری لکھی گئی ''اس زمانے میں معرکہ دین و وطن کے علاوہ شخصیت و کردار کی استواری کا مسئلہ بھی اقبالؒ کی توجہ کا مرکز بنا ہوا تھا، کیونکہ قوموں کی بقا و ارتقا کا انحصار اسی پر ہے وہ شذرہ عدد ۵۴ میں لکھتے ہیں ''کردار ہی وہ غیر مرئی قوت ہے جس سے قوموں کے مقدر متعین ہوتے ہیں۔'' (۱۷)

نمونہ افکار

کامیاب شخص کی خوبیوں کے بارے میں رقمطراز ہیں

"Recognise your limitations, estimate your capacities and your success is assured."(۱۸)

ملی اتحاد کے بارے میں لکھتے ہیں۔

اسلام اور وطن پرستی کے بارے میں جو کچھ پہلے لکھ چکا ہوں اس سے نتیجہ نکلتا ہے کہ ہمارے ملی اتحاد کا انحصار اس بات پر ہے کہ مذہبی اصول پر ہماری گرفت مضبوط ہو۔ جونہی یہ گرفت ڈھیلی پڑی ہم کہیں کے نہ رہیں گے۔ شاید ہمارا وہی انجام ہو جو یہودیوں کا ہوا۔ اس گرفت کو مضبوط کرنے کے لیے ہم کیا کر سکتے ہیں؟ کسی معاشرے میں مذہب کا سب سے بڑا امین و محافظ کون ہوتا ہے؟ عورت ہوتی ہے۔ مسلم خواتین کو صحیح مذہبی تعلیم حاصل ہونی چاہیے۔ کیونکہ وہی قوم کی حقیقی معمار ہیں۔''

☆ تصورات کے بارے میں فرماتے ہیں۔

افراد اور اقوام فنا پذیر ہیں لیکن تصورات، جو ان کی اولاد معنوی ہیں، ہرگز فنا نہیں ہوتے۔''(۲۰)

☆ تاریخ کی توجیہہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

تاریخ محض انسانی محرکات کی توجیہ و تفسیر ہے لیکن جب ہم معاصرین بلکہ روزمرہ زندگی میں گھرے دوستوں اور رفیقوں کے محرکات کی بھی غلط توجیہیں کر بیٹھتے ہیں تو جو لوگ ہم سے صدیوں پہلے گزرے ہیں، ان کے محرکات کی صحیح تعبیر و توجیہہ اس سے کہیں زیادہ دشوار ہے۔ لہذا تاریخ کی روداد کو بڑی احتیاط سے تسلیم کرنا چاہیے۔(۲۱)

☆ مرد قوی کے خصائص بیان کرتے ہیں۔

قوی انسان ماحول تخلیق کرتا ہے، کمزوروں کو ماحول کے مطابق اپنے آپ کو ڈھالنا پڑتا ہے۔(۲۲)

☆ مسلم قوم کی حیرت انگیز تاریخ پر فخر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

مسلم قوم کی تاریخ پر آپ جتنا غور کریں گے، اتنا ہی اسے حیرت انگیز پائیں گے۔ ابتدائی دور سے سولہویں صدی کے آغاز تک۔ پورے ایک ہزار سال۔ یہ توانا نسل سیاسی توسیع کے ہمہ جاذب مشغلے میں پیہم منہمک رہی ہے۔ تاہم مسلسل جدوجہد کے اس طوفانی دور میں بھی، اس حیرت انگیز قوم نے بڑے بڑے تہذیبی کارنامے انجام دینے کے لیے کافی موقع نکال لیا۔ اس نے قدیم علوم کے مدفون خزانوں کو باہر نکالا

اور محفوظ کیا، ان میں ٹھوس اضافے کئے، ایک منفرد نوعیت کا ادب تخلیق کیا، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ایک مکمل نظامِ قانون مرتب کیا، جو ہمارے لیے مسلم فقہا کا سب سے قیمتی ورثہ ہے۔(۲۳)

☆اخلاقی درسیات کے بارے میں لکھتے ہیں۔

قدما شخصیات پیدا کرتے تھے۔ہم اخلاقی درسیات پیدا کرتے ہیں۔(۲۴)

☆شعرا اور سیاست دانوں کا موازنہ کرتے ہیں۔

قومیں شعراء کے دلوں میں جنم لیتی ہیں اور سیاست دانوں کے ہاتھوں پلتی اور مرجاتی ہیں۔(۲۵)

☆سچی سیاسی زندگی کے بارے میں فرماتے ہیں۔

سچی سیاسی زندگی کا آغاز حقوق کے مطالبے سے نہیں بلکہ فرائض کی ادائیگی سے ہوتا ہے۔(۲۶)

☆مقصدِ واحد کی لگن کو منزل کے لیے ضروری قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں

''اگر آپ چاہتے ہیں کہ دنیا کے شور و غوغا میں آپ کی آواز سنی جائے تو آپ کی روح پر محض ایک ہی خیال کا غلبہ ہونا چاہئے۔ مقصدِ واحد کی لگن والا آدمی ہی سیاسی اور معاشرتی انقلاب پیدا کرتا ہے، سلطنتیں قائم کرتا ہے اور دنیا کو آئین عطا کرتا ہے۔''(۲۷)

## حرفِ آخر

ضرورت اس امر کی ہے کہ علامہ اقبال کے افکار اور تصورات سے عوام کو اس طرح شناسا کیا جائے کہ علامہ اقبال ہمارے ذہنوں میں ایک زندہ قوت بن کر ثقافتی، معاشرتی، معاشی اور سیاسی زندگی کی تعمیرِ نو کی مہم میں ہماری حوصلہ افزائی، رہنمائی اور تقویت کا باعث ہوں۔ علامہ اقبالؒ کی تعلیمات کی روح، مستقبل کے ایسے اسلامی معاشرے کا تصور ہے۔ جو افراد کی بھرپور ترقی کا ضامن ہوگا تاکہ وہ تخلیقی عمل میں صحت مندانہ شریک ہوں۔ ''کیونکہ ہمارے کانوں سے ''نوائے دیگراں'' دور کرنے، مسجد کو شرار دیر اور بزمِ مسلم کو چراغِ غیر سے بچانے کے لیے ایک ایسے جلیل القدر اہلِ نظر مفکر کی ضرورت ہے جو دانش نو کا راز داں ہو اور اس کی تحقیق کے میدان میں مدت تک محوتگ و دو رہا ہو۔(۲۸)'' اور یہ مقام علامہ اقبال کو حاصل ہے بقول محمد حامد ''اقبال صرف شاعر نہ تھا، وہ حکیم تھا، وہ حکیم نہیں جو ارسطو کی گاڑی کے قلی ہوں یا یورپ کے نئے فلاسفروں کے خوشہ چیں، بلکہ وہ حکیم جو اسرارِ کلامِ الٰہی کے محرم اور رموزِ شریعت کے آشناؤں میں سے تھا وہ نئے فلسفہ کے ہر راز سے آشنا ہو کر اسلام کے راز کو اپنے رنگ میں کھول کر دکھاتا تھا یعنی بادۂ انگور نچوڑ کر شرابِ تسنیم کا پیالہ تیار کرتا تھا۔''(۲۹)

## حوالہ جات


۱۔ خلیفہ عبدالحکیم، ڈاکٹر، فکرِ اقبال، بزمِ اقبال، لاہور، ۱۹۹۳ء، ص:۲۲

۲۔ محمد حامد، افکارِ اقبال، اقبال اکیڈمی پاکستان، لاہور، ۱۹۸۶ء، ص:۵

۳۔ ڈاکٹر خالد علی انصاری، اردو بک ریویو، ستمبر اکتوبر ۲۰۰۶ء، ص:۱۳

۴۔ ایضاً، ص:۱۱

۵۔ Dictionary. Encyclopedia Britannica

۶۔ ایضاً

۷۔ ایضاً

۸۔ Allama Iqbal, Stray Reflection, Sh, Gulam Ali & sons Lahore, 1961, P:v

۹۔ ایضاً، pg:vi

۱۰۔ افتخار احمد صدیقی (مترجم)، شذراتِ فکرِ اقبال، مجلس ترقی ادب لاہور، طبع دوم، مئی ۱۹۸۳ء، ص:۲۸، ۳۱

۱۱۔ ایضاً، ص:۳۸

۱۲۔ ایضاً، ص:۴۲-۴۳

۱۳۔ ایضاً، ص:۲۳-۲۵

۱۴۔ ایضاً، ص:۵۳

۱۵۔ ملاحظہ ہو عدد ۱۳ (شذراتِ فکرِ اقبال، ص:۵۷، ۵۸)

۱۶۔ شذراتِ فکرِ اقبال، ص:۱۸، ۱۹۔ اس سلسلے میں ملاحظہ ہوں شذرات عدد ۱۸، ۲۱، ۵۴، ۵۸، ۶۲

۱۷۔ ایضاً، ص:۲۰، ۲۱۔ اس موضوع پر دیگر شذرات عدد ۱۵، ۲۴، ۶۴، ۶۶، ۷۱، ۸۳، ۱۲۱، ۱۲۲ ملاحظہ کئے جاسکتے ہیں۔

۱۸۔ Stray Reflection, pg:113

۱۹۔ ملاحظہ ہو عدد ۲۱ (شذراتِ فکرِ اقبال، ص:۸۵)

۲۰۔ عدد ۴۶ (شذراتِ فکرِ اقبال، ص:۱۱۶)

۲۱۔ ملاحظہ ہو عدد ۵۹ (Stray Reflections, pg86)

۲۲۔ عدد ۶۴ (ایضاً، ص:۹۱)

۲۳۔ عدد ۷۳ (ص ۱۰۰-۱۰۱)

۲۴۔ ملاحظہ ہو عدد ۹۲

۲۵۔ ملاحظہ ہو عدد ۹۴

۲۶۔ عدد ۱۰۱

۲۷۔ عدد ۱۲۲

۲۸۔ غلام دستگیر (مرتب)، فکرِ اقبال، نفیس اکیڈمی حیدرآباد دکن، ۱۹۴۴ء، ص:۶

۲۹۔ محمد حامد، افکارِ اقبال، ص:۲۳۲